

اسلامی قانونِ تعزیرات

حد، قصاص اور تعزیر میں فسق کے مختلف پہلو

ڈاکٹر عبدالعزیز عاشر

ترجمہ: معروف شاہ شیرازی

(۷)

حد اور قصاص کے درمیان اور حد اور تعزیر کے درمیان حکم میں کمی محیثیوں سے فرق ہے جن میں سے کچھ وجوہ

اختلاف یہ ہیں:

۱- شریعت نے حدود و قصاص کے جرائم میں تقاضی کو یہ اختیار نہیں دیا ہے کہ وہ مجرم کے لیے اپنی صوابدید سے کوئی سزا تجویز کرے یا اس کی مقدار متعین کرے، بلکہ اس نے ان جرائم کے لیے پہلے ہی سے سزائیں متعین کر دی ہیں اور ان کی ایک ہی انتہا حد ہے، اگرچہ ان میں سے بعض کی نوعیت ایسی ہے کہ وہ دو انتہاؤں (حدوں) کی مشتمل ہو سکتی ہیں، مثلاً کوڑوں کی سزا۔ ان جرائم میں جب تقاضی پر یہ ثابت ہو جائے کہ مجرم نے فی الواقع جرم کا ارتکاب کیا ہے تو اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اسے شائع کی مقرر کردہ سزا دے۔ اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ اس میں کمی بیشی کرے، یا اس کو کسی اور سزا سے بدل دے، یا اس پر سزا کے اجزاء کو موقوف کر دے۔ ایسے جرائم میں جرم کے حالات، یا مجرم کے حالات کسی طرح بھی تعین سزا پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ مثلاً اگر جرم سرتے کا ہے اور قاضی پر ثابت ہو جاتا ہے کہ مجرم فی الواقع اس جرم کا مرتکب ہوا ہے، خواہ یہ شہادتوں سے ہو یا اقرار سے، تو قاضی پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے۔ اگر جرم اپنی تمام شرائط اور ارکان (INGREDIENTS) کے ساتھ ثابت ہو گیا ہے تو جرم اور مجرم کے حالات کیسے بھی ہوں سزا قطع ید بی ہوگی۔ اسی طرح اگر ایلام قتلِ عمد کا ہے اور مخصوص طریقوں کے مطابق وہ قاضی کے سامنے ثابت ہو جاتا ہے تو اس پر لازم ہو گا کہ

وہ بطور قصاص اسے سزائے موت دے۔

مگر قصاص اور حد کے درمیان فرق یہ ہے کہ قصاص کے معاملہ میں اگر شخص متضرر یا اس کا ولی الدم سزا کو معاف کر دے تو قاضی پر لازم ہے کہ وہ اس پر قصاص کا حکم جاری نہ کرے، البتہ اس صورت میں اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ مجرم کو کوئی تعزیری سزا یا سزائیں دے جنہیں وہ مناسب سمجھتا ہو۔ اس فرق کی بنیاد یہ ہے کہ حدود بطور حق اللہ واجب ہیں اور قصاص بطور حق فرد واجب ہے۔ اس لیے حقدار کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ قصاص کا مطالبہ کرے یا مجرم کو معاف کر کے اپنا مطالبہ چھوڑ دے۔

تعزیرات کی صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلامی شریعت نے عمومی طور پر یہ بتا دیا ہے کہ کون سے افعال معاصی (CRIMES) ہیں اور مختلف تعزیری سزائیں بھی بتا دی ہیں۔ اب اگر قاضی کے سامنے زیرِ تفتیش و تحقیق مقدمات میں کوئی قابلِ تعزیر مجرم ثابت ہو جاتا ہے اور وہ اس کی صحت پر مطمئن ہو جاتا ہے تو اسے اختیار ہے کہ وہ مجرم کے لیے تعزیری سزائوں میں سے کوئی ایک یا کئی تعزیری سزائیں تجویز کرے جو مجرم اور جرم کے لیے مناسب ہوں۔ اس معاملہ میں اسے وسیع اختیارات حاصل ہیں۔ وہ یہ اختیار بھی رکھتا ہے کہ سزا دیتے وقت مجرم کے حالات، اس کی شخصیت، اس کے سابقہ عمل اور سزا سے اس کی اثر پذیری کے امکانات کو پیش نظر رکھے۔ اور اسے یہ اختیار بھی ہے کہ سزا تجویز کرنے میں جرم کے حالات اور معاشرے پر اس کے اثرات کو بھی ملحوظ رکھے۔ وہ ایک تعزیری سزا بھی دے سکتا ہے اور کئی سزائیں بھی دینے کا مجاز ہے اسے یہ اختیار بھی ہے کہ سزا کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مقدار کے درمیان کوئی سزا تجویز کر دے، جو مجرم اور اس سے سرزد ہونے والے جرم کے لحاظ سے مناسب ہو۔ نیز اسے یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ سزا کو نافذ کرنے کا حکم دے یا اس کے نفاذ کو موقوف رکھے۔

یہاں بادی النظر میں یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ قاضی کو جو اختیارات تفویض ہوئے ہیں وہ نہایت

تکلفناہ (ARBITRARY) ہیں جن کے استعمال کے لیے نہ کوئی مقرر ضابطہ ہے نہ ملزمین کے لیے تحفظ کی کوئی ضمانت، اس لیے اس بات کا قوی امکان ہے کہ اگر قاضی جان بوجھ کر اپنے ذاتی میلان کی بنا پر ظلم بھی کرے تو اس کی ناواقفیت یا راستے کی غلطی سے ملزم کو نقصان پہنچ جاتے۔ لیکن قدرے تامل اور غور و فکر سے

یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ اندیشے بے بنیاد ہیں، اور انصاف کے لیے یہی طریق کار مناسب تر ہے، اور اسی طریق کار سے ہر معاملہ کی نوعیت کے مطابق مناسب سزا تجویز ہو سکتی ہے۔ اسلامی شریعت نے فی الحقیقت جرائم کو متعین کر دیا ہے، اور یہ تعین اگرچہ عمومی انداز میں ہے، لیکن اس کے لیے ایسے ضوابط موجود ہیں جو غلطی سے بچا سکتے ہیں۔ اسی طرح اس نے قابلِ تعزیر جرائم کی سزائیں بھی بیان کر دی ہیں جن کی تفصیلات آگے آرہی ہیں، اور قاضی اس بات کا پابند ہے کہ شریعت جن افعال کو مصیبت شمار کرتی ہے ان پر مشروع تعزیرات میں سے کوئی سزا دے جو زیرِ سماعت جرم کے حالات سے مناسبت رکھتی ہو۔ مزید برآں شریعت نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ کیا شرائط ہیں جو کسی شخص کو قاضی کے منصب پر مقرر کرنے میں ملحوظ رکھنی چاہئیں۔ ان شرائط میں سے بعض فقہاء کے نزدیک ایک شرط یہ بھی ہے کہ قاضی کو مجتہد ہونا چاہیے، یعنی اسے قانون شریعت کا اتنا علم اور تجربہ ہو کہ وہ پیش آمدہ حالات پر احکام کو منطبق کرنے میں اجتہاد سے کام لے سکے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ حدود اور قصاص کے معاملات میں تو مقررہ سزا کے لیے ایک قطعی متعین معیار موجود ہے جس میں مجرم کے حالات کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اور تعزیری سزائوں کے معاملہ میں جو معیار رکھا گیا ہے

لہٰذا یہ امر بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ اگر کوئی قاضی کسی معاملہ میں اجتہاد سے قاصر ہو تو وہ اس معاملے کو کسی برتر عدالت کی طرف منتقل کر سکتا ہے۔ نیز اصولِ اجماع (CONSENSUS) کے مطابق اسلامی ریاست کی مقننہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ تعزیری جرائم کے لیے تفصیلی طور پر سزائیں بطور ضابطہ مقرر کر کے قاضیوں کے ان وسیع اختیارات کو محدود کرے۔ اسلامی قانون کے ابتدائی دور میں خلیفہ کی مجلسِ شوریٰ کو یہی مقام حاصل تھا۔ بعد کے ادوار میں اس قانون کا ارتقاء قضاة کے قانون (JUDGE MADE LAW) کے طور پر ہوا جس میں قاضی لازماً ایسے مجتہد ہوتے تھے جن کا مرتبہ اجتہاد عوام الناس میں مستم ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے یہ لوگ موجودہ دور کی مجالسِ مقننہ کے ممبروں سے، کم از کم قانون کے معاملہ میں، بدرجہا زیادہ عوام کے معتمد علیہ ہوتے تھے۔ لہٰذا ان کے استعمال کو وہ اختیارات کو کسی صورت میں بھی ٹکمانہ نہیں کہا جاسکتا جس طرح آج ہم کسی مقننہ کے پاس کردہ قوانین کو ٹکمانہ نہیں کہہ سکتے۔ (منزوم)

وہ لچک دار ہے، اس میں مجرم اور مجرم دونوں کے مخصوص حالات کہ بیک وقت پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

۲- حدود واجب ہیں اور ان میں کسی بنا پر بھی معافی، بریت، سفارش اور حد ساقط کر دینے کی گنجائش نہیں ہے۔ یہی حال قصاص کا بھی ہے کہ اس میں حکومت یا حاکم عدالت کو معافی، سفارش یا کسی دوسری وجہ سے سزا کو ساقط کر دینے کا اختیار نہیں ہے، آئیہ کہ خود صاحبِ حق ہی اس کو معاف کر دے۔ رہی تعزیر تو اگر وہ بطور حق اللہ واجب ہو تو اس کا نفاذ قاعدے کے طور پر لازم ہے، لیکن مصلحت کا تقاضا ہو یا مجرم کی اصلاح سزا کے بغیر ہو سکتی ہو تو حاکم وقت کو اختیار ہے کہ وہ اسے معاف کر دے اور اس میں سفارش بھی جائز ہے۔ اور اگر وہ بطور حق فرد واجب ہو تو صاحبِ حق اسے معاف بھی کر سکتا ہے اور کوئی دوسری چیز اس کے بدل کے طور پر بھی قبول کر سکتا ہے۔ اس میں سزا صاحبِ حق کے دعوے پر موقوف ہوتی ہے۔ لیکن اگر وہ سزا ہی کا مطالبہ کرے تو حاکم وقت نہ خود مجرم کو معاف کر سکتا ہے، نہ کسی کی سفارش قبول کر سکتا ہے، اور نہ اسے کسی طرح بھی سزا کو ساقط کر دینے کا اختیار حاصل ہے۔

اس فرق کی بنیاد یہ ہے کہ حدود و خالصتہ بطور حق اللہ واجب ہیں۔ قصاص بطور حق فرد واجب ہے۔ اور تعزیر کی دو قسمیں ہیں، ایک بطور حق فرد اور دوسری بطور حق باری تعالیٰ۔

۳- جہور فقہاء کے نزدیک حدود و قصاص کے جرائم کا ثبوت یا تو گواہی سے ہو گا اور یا ملزم کے اپنے اقرار مجرم سے۔ اس شہادت اور اقرار کے معتبر ہونے کی کچھ خاص شرطیں ہیں جو لازماً پائی جانی چاہئیں۔ ان

لے سُبُلِ السَّلَام، شرح بلوغ المرام، مطبعة استقامت، قاہرہ، ۱۳۵۰ھ، جلد ۴، ص ۵۴۔ حاشیہ ابن عابدین یعنی رد المحتار علی الدر المختار، ج ۳، ص ۱۸۳۔ سُبُلِ السَّلَام کے الفاظ یہ ہیں کہ ”جن لوگوں کو تعزیر کے اختیارات دینے گئے ہوں، ان پر لازم ہے کہ لوگوں کے حالات اور جرائم کے حالات کو نگاہ میں رکھ کر اجتہاد سے کام لیتے ہوئے مناسب ترین فیصلہ کریں۔“

لے سُبُلِ السَّلَام شرح بلوغ المرام، ج ۴، ص ۵۴۔ حاشیہ ابن الخالص علی بامش دُرِّ الحکام مج ۷، ص ۹۴، ۹۵، مطبع وسیعہ، مصر ۱۹۲۴۔ حاشیہ ابن عابدین، ج ۳، ص ۱۸۳۔ واقعات المفتین، ص ۶، طبع اول، مطبع امیر بولاق، مصر، ۱۳۰۰ھ۔ فتاویٰ مالگیری، جلد ۲، ص ۱۶۷، طبع دوم، مطبع امیر بولاق، مصر، ۱۳۱۰ھ۔

جرائم کے معاملہ میں شخص متضرر کے بیانات بطور شہادت قبول نہیں کیے جائیں گے، نہ سماعی شہادت (HEARSAY EVIDENCE) مقبول ہوگی، نہ حلف پر یا عورتوں کی شہادت پر فیصلہ کر دیا جائے گا۔ تعزیری جرائم کے مقدمات میں ثبوت و شہادت کا معاملہ اس سے مختلف ہے، اور ان میں بھی حق اٹھا اور حق فروغ کے اعتبار سے تفصیلات میں اچھا خاصا فرق ہے جس کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

۴۔ امام شافعیؒ کے نزدیک حد اور تعزیر کے درمیان ایک فرق یہ بھی ہے کہ حد جاری کرنے میں اصل سزا سے زیادہ بطور حادثہ جو نقصان ہو جائے وہ ناقابلِ مواخذہ ہے۔ لیکن اگر تعزیری سزا کے نفاذ کے وقت کسی کو کوئی اور ضرر پہنچ جائے جو اصل سزا سے زائد ہو تو اس پر ضمان (DAMAGES) واجب ہے۔ وہ اس معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک مرتبہ کسی مقدمہ میں ایک عورت کو دھمکایا۔ اس نے خوف کے مارے اپنے پیٹ کو سکیر لیا اور اس طرح اس کا عمل گر گیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے مشورہ کیا اور تپے کی دیت ادا کی۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ اس صورت میں دیت کون ادا کرے گا۔ بعض فقہاء نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ دیت اس حاکم کے عاقلہ پر عائد ہوتی ہے جس کے حکم سے یہ نقصان ہوا ہو اور بعض فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اس کا بار بیت المال پر ہوگا۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمدیہ فرماتے ہیں کہ حاکم وقت جس پر حد یا تعزیر جاری کرے اور وہ مر جائے تو اس کے خون کی ذمہ داری کسی پر بھی نہیں ہے۔ کیونکہ حد و تعزیر دونوں کے معاملہ میں حاکم قانون کا حکم نافذ کرنے پر مامور ہے اور ایک مامور شخص پر یہ شرط عائد نہیں کی جاسکتی کہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے نا دانستہ بھی کوئی نقصان نہ ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہی رائے قابلِ قبول ہے اور اگر دوسری رائے پر عمل کیا گیا تو ذمہ دارانِ حکومت کے لیے جرائم کا مقابلہ اور ملک کو شر و فساد سے پاک کرنا مشکل ہو جائیگا

۱۔ عالمگیری ج ۲، ص ۱۶۷۔

۲۔ اسلامی قانون کی اصطلاح میں عاقلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو خوبیاں یا دیت کے ادا کرنے میں اصل قصور وار شخص

۳۔ عالمگیری ج ۲، ص ۱۶۷۔

کے ساتھ شریک ہوتے ہیں (ترجمہ)

اور حکام جرائم پیشہ افراد کے مقابلے میں بے دست و پا ہو جائیں گے۔

۵۔ ایک فرق یہ بھی ہے کہ حد نابالغ پر واجب نہیں ہوتی کیونکہ اجرائے حد کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مجرم بالغ ہو۔ یہی حال قصاص کا بھی ہے۔ لیکن تعزیری سزا کا نفاذ نابالغ پر بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا مقصد تادیب ہے اور بچوں کو تادیبی سزا دینا جائز ہے۔ لیکن بعض فقہاء نے اس رائے کا اظہار بھی کیا ہے کہ تعزیر میں بھی مجرم کا بالغ ہونا شرط ہے۔

لے تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، الاحکام السلطانیہ، الماوردی، ص ۲۲۶۔ حاشیہ ابن عابدین یعنی رد المحتار علی الدر المنثور، ج ۳، ص ۱۹۵ اور اس کے بعد۔ شرح تنویر الابصار، جو ابن عابدین کی شرح در مختار کے حاشیے پر چھپی ہوئی ہے ص ۱۹۵ و ما بعد۔ الاحکام السلطانیہ، ابو یعلیٰ، ص ۲۶۶۔ اس میں لکھا ہے: "تعزیر کے نفاذ سے اگر اتفاقاً کوئی چیز تلف ہو جائے تو ضمان واجب نہ ہوگا۔"

۲ حاشیہ ابن عابدین، ج ۳ ص ۱۸۳۔

۳ الفصول الخمسة عشر فی التعزیر، استریشنی، ص ۲۔

اعتذار

ترجمان القرآن کے گذشتہ شمارے (جنوری ۱۹۹۸ء) میں مطبوعات کے تحت ایک کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کا نام خدلی سے ضبط تولید لکھا گیا تھا۔ اس کا پورا نام "ضبط تولید کی شرعی حیثیت" ہے۔ اور اس کے مصنف مولانا محمد یوسف صاحب ہیں۔

(د-ج-ح-ص)